# ایک طالب علم کے چند سوالات — وجودِ باری تعالیٰ

جناب پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب

ایک روز ایک نوجوان طالب علم میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میں آپ سے چند سوالات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟ میں نے کہا ناراضگی کی کیا بات ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا تو جواب دے دوں گا، ورنہ خاموش ہو جاؤں گا۔

طالب علم: کیا خدا موجود ہے؟

میں: ہم جن چیزوں کو موجود مانتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو ہم حواسِ خمسہ کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔ جیسے میز، شور و غل، خوشبو، ریشم۔ دوسری وہ جن کو ہم اپنی عقل کی مدد سے پہچانتے ہیں۔ جیسے دردِ سر، بلب روشن دیکھا تو جان لیا کہ بجلی ہے۔ انسان کو بات کرتے دیکھا تو جان لیا کہ زندگی ہے۔ حالانکہ نہ ہم نے درد دیکھا، نہ بجلی دیکھی، نہ روح دیکھی۔ خداوند تعالیٰ ابھی دید سے بالا ہے۔ غیر مرئی (INVISIBLE) ہے۔ اس کو صرف عقل کی مدد سے ہم جان سکتے ہیں۔

بلکہ حواس سے دریافت شدہ اشیاء کو بھی عقل کی مدد سے زیادہ بہتر طریقہ سے جان سکتے ہیں۔ عقل حواس کی غلطیوں کی اصلاح کر دیتی ہے۔ آنکھ بتاتی ہے کہ سورج ایک طشتری کے برابر ہے، عقل کہتی ہے کہ سورج زمین سے لاکھوں گنا بڑا ہے۔ اسٹیشن پہ کھڑے ہو کر انسان کہتا ہے کہ ریل کی پٹریاں آگے جا کر مل جائیں گی۔ عقل بتاتی ہے یہ متوازی ہیں۔ یہ نہیں ملیں گی۔

طالب علم: پھر کیسے معلوم ہو کہ خدا موجود ہے یا نہیں؟

میں: جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ عقلی وجود رکھنے والی اشیاء کو حواس کی مدد سے دریافت نہیں کر سکتے۔ ان کو ان کے نتائج اور اثرات کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔ پنکھا چل رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں بجلی ہے۔ جب پنکھا بند ہو گیا، ہم کہتے ہیں بجلی چلی گئی۔ حالانکہ ہم نے نہ اُسے آتے دیکھا اور نہ جاتے دیکھا۔ ایٹم کو بڑی سے بڑی خوردبین کی مدد سے بھی دیکھا نہ جا سکا، مگر اس کے اثرات کا یہ حال ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جاپان میں جوہری بم نے دو لاکھ انسانوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کو بھی ہم آثار اور نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔

طالب علم: وہ آثار اور نشانیاں کیا ہیں؟

میں: اگر کہیں موزونیت و مقصدیت، حکمت اور دانائی کی کوئی بات نظر آتی ہے تو ہم بول اُٹھتے ہیں کہ یہ کسی صاحبِ عقل ہستی کا کام ہے۔ اس کے پسِ پردہ کسی حکیم اور مدبر صانع کی کارفرمائی ہے۔ پتھر اگر راستہ میں پڑا ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یونہی لڑھک کر یہاں آ گیا ہے، لیکن اگر پتھر دیوار میں موزوں انداز میں چنا ہوا ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس کو کسی انسان نے موزوں کیا ہے۔ اس کی موزونیت انسانی ذہن کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ وہاں ہم یہ بات ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ پتھر خود بخود یہاں دیوار میں آ کر موزوں ہو گیا ہے۔

بالکل اسی طرح اگر مظاہرِ کائنات میں مقصدیت اور موزونیت، حکمت اور دانائی کے مظاہرات بکھرے نظر آتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ان مظاہرات کے پس پردہ دانا اور حکیم ہستی کارفرما ہے۔ یہ ساری تخلیق ایک مدبر اور حکیم صناع کی ہے۔

طالب علم: وہ حکمت و دانائی کے آثار کہاں ہیں؟

میں: اربوں کھربوں سال سے سورج حد درجہ پابندیٔ وقت کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ موسم اپنے اوقات پر آتے ہیں۔ بارشیں اپنے وقت پر ہوتی ہیں۔ کیا یہ نظم کی پابندی جو لاکھوں اربوں سال سے چلی آ رہی ہے کسی حکیم اور مدبر صانع کی طرف اشارہ

نہیں کر رہی ہے ؟ کیا یہ خود بخود ہو سکتا ہے ؟ کیا اندھی بہری فطرت ہر کام کر سکتی ہے ؟

جغرافیہ دان بتاتے ہیں کہ کرۂ ارضی کا قیام عمودی نہیں ہے ، بلکہ یہ قدرے جھکا ہوا ہے۔ عمودی ہونے کی صورت میں زمین پر سردی گرمی ہمیشہ یکساں رہتی اور ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ پھر یہاں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا تھا ، مگر اب اس جھکاؤ کی وجہ سے سردی گرمی میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ قابلِ برداشت ہے۔ گویا صانع حکیم کے تخلیق کے روزِ اول ہی میں یہ بات پیشِ نظر تھی کہ کرۂ ارضی کا طبعی موسم حیاتِ انسانی کو فروغ دینے کا سبب بنے۔ کیا یہ بات مدبر و حکیم صانع کی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے ؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو گیا ہے۔ کیا یہ کام اندھی بہری فطرت کر سکتی ہے ؟

انسان کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے ، نہ عقل ، نہ سمجھ ، نہ زبان۔ محبت بھری ماں اس کو اپنے سینہ سے چمٹاتی ہے۔ خاص اسی مقام پر اس کی غذا کے لیے دُودھ کے دو چشمے جاری موجود ہیں۔ کسی دوسرے مقام پر ، پیٹھ پر ، ران پر ، یا کمر پر نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بچہ سینہ پر منہ مارتا ہے ، نہ کمر پر نہ ران پر۔ کیا یہ مقصدیت حکیم اور مدبر صانع کی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے ؟ کیا یہ کام خود بخود ہو گیا ؟ کیا یہ کام اندھی بہری فطرت کر سکتی ہے ؟

انسان کی آنکھ دیکھیے۔ آنکھ بہت نازک ہوتی ہے اس کی حفاظت مقصود ہے۔ آنکھ کے دروازے پر پہرے داروں کا دستہ پلکوں کی صورت میں مستقل کھڑا رہتا ہے۔ پھر بھی کسی طرح گرد و غبار آنکھ کے اندر داخل ہو جائے تو فوراً آنسوؤں کا سیلاب آ کر آنکھ کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ صفائی کا یہ خودکار نظام ( SELF - FLUSHING ) کیا مقصدیت کی غمازی نہیں کر رہا ہے ؟ کیا یہ کسی حکیم و مدبر صانع کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہے ؟ کیا یہ خود بخود ہو گیا ؟ کیا یہ کام اندھی بہری فطرت کر سکتی ہے ؟

انسان کا کان دیکھیے۔ اس کی بناوٹ پر غور کیجیے۔ کان کا مصرف آوازوں کو سننا ہے ، آوازوں کی لہروں کو وصول کرنا ہے۔ لہریں خاص انداز میں دائرہ میں سفر کرتی ہیں۔ کان کی ساخت اسی مقصد کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے۔ کان میں اُبھار ، نشیب و فراز رکھے

گئے ہیں - اگر یہ ابھار نہ ہوتے اور کان سپاٹ ہوتے تو لہریں برابر سے گزر جاتیں اور آواز سنائی نہ دیتی - مزید غور کیجیے کہ یہ ابھار گوشت اور کھالوں سے بنائے جاتے تو کمزوری اور بڑھاپے میں ڈھیلے پڑ جاتے - پھر وہ آواز کو پکڑ نہیں سکتے تھے - یہ ابھار اگر ہڈی کے بنائے جاتے تو کھڑی ہڈی کی موجودگی میں انسان کروٹ لے کر سو نہیں سکتا تھا - اس لیے صانع نے ہڈی تو استعمال کی مگر کرکری ہڈی استعمال کی جس کی موجودگی میں انسان کروٹ لے کر سو سکتا ہے - کیا یہ سب اعلیٰ مقصدیت اور اعلیٰ حکمت کسی حکیم اور مدبر حکیم کی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے؟ کیا یہ خود بخود ہو گیا؟ یہ کام کیا اندھی بہری فطرت کر سکتی ہے؟

ہر چیز جم کر بھاری ہو جاتی ہے، اور بھاری چیز پانی میں نیچے جا کر بیٹھ جاتی ہے، مگر پانی جم کر برف بن کر ہلکا بن جاتا ہے - بجائے نیچے بیٹھنے کے سطح آب پر تیرتا ہے - اگر وہ زیر آب بیٹھ جاتا تو سردی کے زمانہ میں تمام دریا اور سمندر جم جاتے - اور سمندروں میں موجود آبی مخلوقات جم جاتی اور مر جاتی - بحالاتِ موجودہ برف جم کر سطح آب پر آ جاتی ہے - سرد ہواؤں کو نیچے نفوذ کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے - اسی وجہ سے سردی کے موسم میں دریاؤں میں زیر آب پانی بہتا رہتا ہے، مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوقات زندہ رہتی ہیں - یہ مقصدیت یہ حکمت کیا کسی حکیم و مدبر صانع اور خالق کی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے؟ کیا یہ خود بخود ہو گیا ہے؟ کیا یہ کام اندھی بہری فطرت کر سکتی ہے؟

قطب شمالی کے علاقے میں ہمیشہ برف پڑی رہتی ہے - وہاں کوئی سبزہ اور روئیدگی نہیں ہے وہاں بھی انسان آباد ہیں جن کو اسکیمو کہتے ہیں - سردیوں میں جب سارا خطہ برفستان بن جاتا ہے تب بھی ان کی خوراک کا انتظام موجود ہے - ان لوگوں کو اپنے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فلاں فلاں مقام پر دریا بہتا ہے - اگرچہ وہ اب برف سے ڈھکا ہوا ہے - وہاں وہ بارہ سنگے کی پسلی کی ہڈیوں سے بنے ہوئے نیزوں سے برف میں سوراخ کرتے ہیں - روشنی اندر نفوذ کرتی ہے - مچھلیاں روشنی کی طرف لپکتی ہیں - وہ آسانی سے ان مچھلیوں کا شکار کرتے رہتے ہیں - اِس طرح ان کو غذا ملتی رہتی ہے - کیا ماحول میں اور انسانی ضروریات میں تطابق اور مقصدیت کسی حکیم و مدبر خالق کی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود

ہوگیا ہے ؟ کیا یہ اندھی بہری فطرت یہ کام کرسکتی ہے ؟

غرضیکہ جو شخص بھی ہٹ دھرمی کی عینک آنکھ سے اتار کر کھلے دل سے اور کھلی آنکھ سے مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت پر نظر ڈالے گا اور غور کرے گا اس کو یقیناً ان مناظر اور مظاہر کے پسِ پردہ ہر جگہ حکیم و دانا خالق و صانع خداوند تعالیٰ کا دستِ قدرت نظر آئے گا وہ خداوند تعالیٰ کے نہ صرف وجود بلکہ کائنات میں اس کی کارفرمائی پر ایمان لے آئے گا۔ وہ یقین کرے گا کہ یہ کائنات ایک بلند مقصد اور اعلیٰ حکمت کے لیے تخلیق کی گئی ہے ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

طالب علم : اچھا صاحب ، یہ بات تو میری سمجھ میں آ گئی ، مگر یہ بتائیے کیا قیامت کا آنا ممکن ہے ؟

میں : بھائی - اب تو سائنس دان بھی قیامت کے آنے کے قائل ہوگئے ہیں -

طالب علم : وہ کیسے ؟

میں : انیسویں صدی کے سائنس دان مدعی تھے کہ مادہ نہ گھٹتا ہے ، نہ بڑھتا ہے ، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا - اس وجہ سے وہ قیامت کے آنے کے منکر تھے ، مگر اب تو ذرہ کو توڑ دیا گیا ہے - اب تو مادہ فنا ہوگیا ہے -

؎ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

اب تو وہ استدلال ہی ختم ہوگیا ہے - قیامت کی آمد کے حق میں دوسری بڑی شہادت علمِ ریاضی نے فراہم کی ہے - ریاضی کی ایک شاخ ہے حرارتی حرکیات (THERMO DYMA) اس کے قانون نمبر دو نے ثابت کردیا ہے کہ دنیا میں حرارت کی مقدار بتدریج کم ہوتی جارہی ہے نیا اضافہ نہیں ہورہا ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارا نظامِ شمسی ایک دن بے نور ہوجائے گا خواہ وہ دن کتنے ہی کروڑوں سال کے بعد آئے - اس طرح سائنس دان پورے نظامِ شمسی کی جس میں ہماری دنیا بھی شامل ہے ، موت کی پیش گوئی کررہے ہیں - اب تو وہ خود قیامت کا ثبوت فراہم کررہے ہیں -

طالب علم: آپ نے تو بڑے عقلی انداز میں تمام باتوں کو سمجھایا ہے۔ پھر ان سائنس دانوں کو اور مغرب کے فلاسفہ کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ کیوں نہیں مانتے؟

میں: سنیے صاحب! میں نے جو طریقہ استدلال استعمال کیا ہے وہ بالکل وہی ہے جو یہ سائنس دان استعمال کرتے ہیں۔

ڈارون نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا۔ ارتقاء کی کڑیاں جوڑتے میں متحجر (FOSSILS) ڈھانچوں سے امداد لی گئی۔ کہیں سے کوئی کھوپڑی مل گئی، کہیں سے جبڑا مل گیا اور ان اجزا سے وہ سالم انسان پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اپنے اس استدلال کی بنا پر انہوں نے انسان کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے: تحت انسان، انسان نما اور مکمل انسان۔

خارجی آثار دیکھ کر اس دور کے انسان کی عقلیت اور معنویت پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں قدیم ڈھانچہ کے ساتھ ہی راکھ بھی پڑی ملی تو نتیجہ نکالا کہ قدیم دور کا انسان آگ سے واقف تھا۔ حالانکہ انہوں نے نہ اس انسان کو دیکھا، نہ اس آگ کو دیکھا۔ کہیں قدیم ڈھانچوں کے ساتھ جانوروں کی ہڈیاں پڑی ملیں تو نتیجہ نکالا کہ قدیم زمانے کا انسان جانوروں کا شکار کرتا تھا۔ حالانکہ انہوں نے شکار کرتے نہیں دیکھا۔

ایک اور علم آثار قدیمہ ہے۔ اس میں بتاتے ہیں کہ انسان پر ایک دور ایسا گزرا کہ وہ پتھروں کو بطور اوزار استعمال کرتا تھا۔ ان کی تراش خراش کر کے مفید مطلب بناتا تھا۔ ایسے پتھروں کے تیز دھار والے اوزار مختلف مقامات پر ملے ہیں۔ تراشیدہ ہونے کی بنا پر استدلال کیا گیا کہ یہ انسانی ذہن کا اور انسانی ہاتھ کا کام ہے۔ یہ خود بخود نہیں ہوا۔

ایک اور علم طبقات الارض ہے، وہاں بھی اسی طریقے سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمالیہ پہاڑ پر تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر متحجر سیپ سکے ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ چیزیں سمندر میں بنی ہیں۔ پھر مزید استدلال کیا کہ ہمالیہ پہاڑ سمندر میں بنا ہے۔ اور یہ کہا گیا کہ اس سمندر کا نام (TYTHE SEA) ہے۔

غرضیکہ مختلف علوم و فنون میں سائنس دان خود اس طریقہ کو استدلال کرتے ہیں، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہے۔ لیکن جب ہم اس طریقہ استدلال سے مظاہر قدرت میں حکمت و

دانائی سے وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ حالانکہ غلط ان کا طرزِ عمل ہے۔ غیر سائنسی ان کا طرزِ عمل ہے۔

چونکہ سائنس کی طفولیت کے زمانے میں سائنس دانوں کی پادریوں سے جنگ ہو گئی تھی۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر وہ مذہب سے بیزار ہو گئے۔ اور خدا و آخرت سب کا انکار کر دیا۔ اب نفرت کا جذبہ سائنس دانوں کے دل و دماغ میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اگر کوئی شخص خود ان کے طے کردہ سائنسی طریقۂ استدلال کو استعمال کر کے ذاتِ باری کا اثبات کرتا ہے تو وہ یہ بات سننے کے روادار نہیں۔ یہ محض ہٹ دھرمی ہے۔ کل اگر پادریوں کی ہٹ دھرمی بری بات تھی تو آج سائنس دانوں کی ہٹ دھرمی بھی بری بات ہے۔

اس لیے نوجوانوں کا کام ہے کہ سائنس دانوں کے بڑے بڑے ناموں سے مرعوب نہ ہوں۔ اپنی سمجھ کو اور اپنی عقل کو بھی استعمال کریں۔

طالب علم: بہت خوب! آپ نے تو آج میری بہت ساری اُلجھنیں دُور کر دیں۔ مجھے اس گفتگو سے بے حد فائدہ ہوا۔ اب آپ مجھے ایک اور بات دریافت کرنے کی اجازت دیجیے۔

میں: فرمایئے!

طالب علم: آپ لوگ بزرگوں کو کیوں نہیں مانتے؟

میں: انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ اگر ان اُڑے تو خدا کا بھی انکار کر دے اور جب نیچے گرے تو اُس کے بندوں کو بھی خدائی تقسیم کرتا پھرے۔

سُنیے صاحب! ہم بزرگوں کو مانتے ہیں۔ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ وہ باعمل اور نیک کردار تھے۔ انھوں نے لوگوں کو راہِ حق دکھائی۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہوگا اور ان کے درجات بلند کرے گا۔

اب میں یہاں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر کوئی طالب علم بڑا محنتی ہو، ذہین ہو، با اخلاق ہو، تمام اساتذہ اس سے خوش ہوں، امتحانات میں بھی وہ اوّل آئے، کالج کی انتظامیہ اس سے خوش ہو کر سونے کا تمغہ دے، اس کا نام یادگاری تختہ پر لکھا جائے، کیا ان تمام

باتوں کے باوجود اس طالب علم کو یہ اختیار مل جائے گا کہ وہ جس کو چاہے پاس کرا دے اور جس کو چاہے فیل کرا دے؟

طالب علم : یہ اختیار تو کالج انتظامیہ کے پاس رہے گا۔ وہ کسی کو نہیں دے سکتی۔

میں : بس معاملہ صاف ہوگیا۔ بزرگ کتنے ہی نیک ہوں، کتنے ہی مقربِ خدا ہوں، مگر وہ ہرگز خدا کی خدائی میں شریک نہیں ہوتے۔ مارنا، جلانا، اولاد دینا، رزق دینا، کامیابی دلانا، مغفرت کرانا یہ تمام کام خداوند تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ کوئی دوسرا فرد نہ رسول نہ بزرگ ان اختیارات میں خداوند تعالیٰ کا شریک نہیں ہوتا۔ بزرگ کی بزرگی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اب وہ خدائی اختیارات کا مالک بن گیا۔

طالب علم : مگر لوگ کہتے ہیں کہ نیک ہستیاں جسے چاہیں جنت میں لے جا سکتی ہیں۔

میں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا تو نہ کوئی بزرگ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ولی ہو سکتا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اعمال کی بنیاد پر بخشا جائے گا۔ آپؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ سے اور اپنی پھوپھی صفیہؓ سے فرمایا:

> "آخرت میں مَیں تمھارے کام نہ آسکوں گا۔ وہاں تمھارے اعمال تمھیں بخشوائیں گے۔ اس گمان میں نہ رہنا کہ میں رسولؐ کی بیٹی ہوں اور میں رسولؐ کی پھوپھی ہوں۔ لہٰذا نیک اعمال کرو۔"

آپؐ کے چچا ابوطالب تھے۔ آپؐ کی پرورش کی تھی۔ آپؐ پر بڑے مہربان تھے، مگر مرتے دم تک وہ رہے دینِ کفر پر۔ آپؐ نے آخری وقت ان سے کہا بھی کہ آپ کلمہ پڑھ لیں، تاکہ میں آپ کی سفارش کرنے کے قابل بن جاؤں، مگر وہ نہ مانے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے بلکہ پرورش کرنے سے نجات نہیں ملے گی تو کسی دروازہ کو چھونے سے کیسے نجات مل سکتی ہے۔ یہ سب اسلام کے منافی باتیں ہیں۔ جب رسول اللہؐ کسی فرد کو جنت میں بھیجنے کی ضمانت نہیں دیتے تو پھر دوسرے کسی فرد کو کہاں

کہاں سے یہ حق پہنچ گیا کہ وہ سب کو جنّت میں داخل کردے ۔ گذشتہ زمانوں میں بہت سی غیر اسلامی باتیں اسلام میں گھس آئی ہیں ۔

مگر یاد رکھو!

— جو بات قرآن میں ہے وہ اسلام ہے ۔

— جو بات سنّتِ رسولؐ میں ہے وہ اسلام ہے ۔

— جس بات پر صحابہؓ اور تابعینؒ نے عمل کیا وہ اسلام ہے ۔

— جو بات اسلام کے بنیادی اُصولوں کے مطابق ہے وہ اسلام ہے ۔

اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بعد کے لوگوں کے اضافے ہیں ، جن کی کوئی سند نہیں ہے ، وہ ہرگز اسلام نہیں ہے ۔

---